# کتابتِ قرآن عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان میں

ظفر الاسلام اصلاحی

قرآن کریم وہ عظیم صحیفۂ ہدایت اور مقدس ترین کتاب ہے جسے پڑھنا و لکھنا، یاد کرنا و سمجھنا شائع کرنا و پھیلانا موجبِ سعادت و باعثِ برکت ہے درحقیقت علوم و معارف کے اس خزانہ سے خود فائدہ اٹھانے یا دوسروں کو مستفید ہونے کا جو بھی ذریعہ اختیار کیا جائے وہ برکات و فوائد سے خالی نہیں ۔ قرآن کریم کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ وہ نہ صرف خود رشد و ہدایت اور علم و معرفت کا بیش بہا مخزن ہے بلکہ متعدد علوم و فنون کے وجود آنے میں اور ترقی پانے کا وسیلہ بھی۔ انھی میں فن تحریر یا کتابت بھی شامل ہے جس کی ترقی یافتہ شکل خطاطی کے نام سے معروف ہے ۔ اس میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ قرآن کریم دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی، لکھی و شائع کی جانے والی کتاب ہے ۔ اس عظیم ہدایت نامہ کے دو سب سے معروف نام (القرآن والکتاب) سے خود یہ صفت واضح ہوتی ہے ۔ یہ دونوں نام قرآن کریم میں بار بار استعمال ہوئے ہیں ۔ قرآن کریم میں "القرآن" کا لفظ سب سے پہلے سورہ مزمل (نزولی ترتیب کے اعتبار سے قرآن کی تیسری سورہ) میں دو بار استعمال ہوا ہے وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (المزمل: ۴) فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (المزمل: ۱۹) ۔ فاتحۃ الکتاب کے بعد اولین سورہ (البقرہ) کی ابتدا ہی میں قرآن کی یہ امتیازی شان بیان کی گئی کہ یہ وہ نوشتۂ ہدایت ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں (الم ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ) اہم بات یہ کہ بعض آیات میں دونوں نام ساتھ ساتھ مذکور ہوئے ہیں:

الرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ (الحجر: ۱)

(یہ آیات ہیں کتاب الٰہی اور قرآن مبین کی)

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ (النمل :۱)

(طٰ۔سٓ یہ آیات ہیں قرآن اور کتاب مبین کی)

اس نوع کی آیات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ قرات و کتابت (پڑھنا و لکھنا) دونوں کا قرآن مجید سے بنیادی تعلق ہے۔ نزول سے قبل یہ لوح محفوظ میں ایک نوشتہ دستاویز کی صورت میں محفوظ تھا۔ جیسا کہ خود قرآن میں یہ صراحت ملتی ہے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتٰبٍ | یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے ایک محفوظ |
| مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ | کتاب (لوح محفوظ) میں ثبت۔ جسے |
| (الواقعہ: ۷۷-۷۹) | مطہرین کے سوا اور کوئی چھو نہیں سکتا۔ |

نزول قرآن کی ابتدا ہی سے قرات کے ساتھ اس کی کتابت کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ اس طرح اسی زمانہ سے کتابت اور اس کے اسلوب و اسباب سے قرآن کا تعلق قائم ہوا جو بلا کسی انقطاع بعد کے دور میں جاری رہا۔ نزولی ترتیب کے اعتبار سے قرآن کریم کی اولین سورہ (العلق) میں اللہ تعالیٰ نے مہبط وحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے توسط سے پوری امت کو اپنا کلام پڑھنے کی تلقین کی۔ اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا یہ عظیم احسان یاد دلایا کہ اس نے اسے قلم کے استعمال یا لکھنے کی صلاحیت ودیعت کی۔

| | |
|---|---|
| اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ | اور پڑھو تمہارا رب بڑا کریم ہے جس |
| عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (العلق: ۳-۴) | نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ |

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے صاحب تفہیم القرآن لکھتے ہیں کہ یعنی یہ اس کا انتہائی کرم ہے کہ اس حقیر ترین حالت سے ابتدا کر کے اس نے انسان کو صاحبِ علم بنایا جو مخلوقات کی بلند ترین صفت ہے اور صرف صاحبِ علم ہی نہیں بنایا بلکہ اس کو قلم کے استعمال سے لکھنے کا فن سکھایا جو بڑے پیمانہ پر علم کی اشاعت، ترقی، نسلاً بعد نسل اس کے بقا، اور تحفظ کا ذریعہ بنا۔[۱] یہاں اس وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں کہ تحریر یا کتابت علم کی حفاظت و اشاعت کا سب سے بڑا وسیلہ ہے اور کسی بھی امر کو محفوظ رکھنے کا موثر ترین ذریعہ بھی۔ قرآن کریم میں

اللہ تعالیٰ نے باہمی لین دین بالخصوص قرض کے معاملات کو ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا | اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب کسی |
| تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ | مقررہ مدت کے لئے تم آپس میں قرض |
| مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ (البقرۃ: ۲۸۲) | کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ |

مزید برآں انسانیت کے سب سے بڑے معلم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

قیدوا العلم بالکتاب [۲] علم کو لکھ کر منضبط کرو۔

اس کے علاوہ قرآن کریم میں مختلف مقامات پر کتابت کے آلات و اسباب و ثمرات (قلم، مداد (سیاہی)، لوح، قرطاس، صحف، زبر، اسفار وغیرہ) کا ذکر ملتا ہے۔ سورۃ القلم کی پہلی آیت ملاحظہ ہو:

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں امام تفسیر مجاہدؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر یعنی قرآن لکھا جا رہا تھا۔ اس طرح یہ واضح ہے کہ جو چیز لکھی جا رہی تھی اس سے مراد قرآن ہی ہے [۳]۔ ترمذی کی ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم دیا [۴]۔ خلاصہ کلام یہ کہ فن تحریر یا کتابت بہت ہی قدیم فن ہے اور مسلم معاشرہ میں اس کا ارتقاء قرآن کریم کی کتابت میں اہل اسلام کی دل چسپی اور اسے بہتر سے بہتر بنانے، اور اس کی تزئین و آرائش کے لئے سعی مسلسل کا مرہون منت ہے۔ عہد نبوی میں قرآن کے تحفظ کے نقطہ نظر سے اس کی آیات کو ضبط تحریر میں لایا گیا تو بعد کے دور میں اس سے استفادہ کی سہولت بہم پہونچانے اور اس کے معارف و حکم کو عام کرنے کی خاطر اس کی کتابت جاری رہی اور اس کے ذریعہ سے قرآن کا پیغام چار دانگ عالم میں پھیلتا رہا۔ اہم بات یہ کہ ہر دور میں کتابت قرآن کو تقدس و عظمت حاصل رہی اور اسے بابرکت مشغلہ کے طور پر اختیار کیا گیا۔ اس کے لئے کتابت کا سادہ و عام طریقہ اپنایا گیا اور فن کے طور پر بھی اسے برتا گیا جسے خطاطی سے تعبیر کیا جاتا ہے خطاطی خاص طور سے ان فنون میں شامل ہے جس کی ایجاد و ترقی کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے لیکن اس میدان میں مسلمانوں کی دل چسپی و خدمات کا ذکر کرتے ہوئے اکثر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ اسلام میں مصوری یا

تصویر سازی کی حرمت کی وجہ سے مسلمانوں کا جمالیاتی ذوق فن خطاطی کی صورت میں نمایاں ہوا یا یہ کہ یہی فن ان کی جمالیاتی حس کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ ثابت ہوا۔ یہ تصور اصلاً مغربی دانشوروں کا پیش کردہ ہے جسے بعض مسلم اسکالرس نے بھی قبول کر لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے حروف کو خوبصورتی و دیدہ زیبی کا اعلیٰ نمونہ بنا کر پیش کرنے میں ان کی دلچسپی و کوشش فنِ خطاطی کے وجود میں آنے و ترقی پانے کا ذریعہ بنی۔ گرچہ بعد میں مختلف چیزوں کے لکھنے میں اس فن کا مظاہرہ کیا گیا لیکن یہ اصلاً قرآن مجید کی کتابت کے سہارے ہی تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں ترقی کے منازل طے کرتا رہا۔ یہاں یہ وضاحت بے موقع نہ ہوگی کہ عہد نبوی میں مختلف اشیاء پر قرآنی آیات کی کتابت خطِ کوفی میں عمل میں آئی۔ عہد صدیقی میں اسی خط میں قرآن کے جمع و تدوین کے مراحل انجام پائے اور عہد عثمانی میں اختلاف قرأت کو ختم کرنے کے مقصد سے قرآن مجید کے متعدد نسخے خطِ کوفی ہی میں تیار کئے گئے۔ اس کے بعد بھی تقریباً تیسری صدی ہجری کے آخر تک قرآن کی کتابت کے لئے یہی خط رائج رہا۔ گرچہ اس کی ظاہری شکل وصورت میں تبدیلی ہوتی رہی اور حسن و نفاست کے اعتبار سے یہ مسلسل ترقی پاتا رہا۔ خط کوفی پہلے نقطوں و اعراب سے معریٰ تھا۔ بعد میں اموی دورِ خلافت میں عجمی لوگوں کی آسانی کی خاطر حروف میں امتیاز کے لئے نقطوں کا اضافہ کیا گیا اور حرکات کی صحت کے لئے اعراب کی علامتیں قائم کی گئیں[۵]۔ تیسری صدی کے بعد قرآن کریم کی کتابت کے لئے جو دوسرے خط (رقاع، توقیع، نسخ، تعلیق و نستعلیق) مروج ہوئے وہ یا تو خط کوفی کی ترقی یافتہ شکل تھے یا ان کی اصل کسی نہ کسی صورت میں اسی سے ملتی ہے۔

مشہور روایت کے مطابق ابن مقلہ (م ۳۲۸ھ/۹۳۹ء) نے چوتھی صدی ہجری کی ابتدا میں خط کوفی کو ترقی دے کر ایک نیا خط ایجاد کیا جو بدیع و محقق کہلایا آگے چل کر اس کے شاگردوں میں ابن بواب (م ۴۲۳ھ/۱۰۳۱ء) اس میں مزید حسن و نفاست پیدا کر کے ایک نیا خط ایجاد کیا۔ یہ اس قدر خوبصورت تھا کہ گذشتہ خطوں کا ناسخ ثابت ہوا۔ اسی لئے یہ نسخ کہلایا۔ اسی صدی کے آخر میں حسن بن علی فارسی (ہم عصر عماد الدولہ دیلمی بانی سلطنت دیلمیہ) نے رقاع و توقیع کو ملا کر ایک نیا خط وضع کیا جو "تعلیق" کہلایا۔ پھر ساتویں صدی ہجری میں نسخ و تعلیق کی آمیزش سے ایک نیا خط وجود میں آیا جو اول الذکر سے بھی زیادہ خوبصورت تھا۔ ابتدا میں یہ نسخ و تعلیق کہا جاتا تھا بعد میں کثرتِ استعمال سے "نستعلیق" کے نام سے معروف ہوا۔ اس کی ایجاد کا سہرا امیر تیمور (۱۳۳۶ - ۱۴۰۵ء) کے معاصر میر علی تبریزی کے

سرہے۔ مختصر یہ کہ اسلامی خطاطی کے ارتقاء کے مختلف مراحل کا بلغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوجائے گی کہ اس میں قرآن کریم کی کتابت کو خوب سے خوب تر بنانے اور اس ابدی پیغام ومخزن رشد ہدایت کو حسین وجمیل حروف اور جاذب نظر طرز تحریر سے مزین کرنے میں مسلمانوں کی دل چسپی وکوشش کا سب سے زیادہ دخل رہا ہے۔ اس لئے خطاطی کے ارتقاء کو اسلام میں مصوری کی ممانعت سے منسوب کرنا یا اسے محض اہل حکومت کی ہمت افزائی وشاہانہ سرپرستی کا مرہون منت قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔ مزید براں خاص قرآن کی خطاطی کے فروغ میں اس کے پیغام کی اشاعت وترویج کے جذبے اور اس نیک مشغلہ (کتابتِ قرآن) کے ذریعہ برکت وثواب کی طلب کی بھی کارفرمائی رہی ہے۔ بلاشبہ اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں اس فن میں حکمرانوں کی ذاتی دلچسپی اور ان کی جانب سے اہل فن کی حوصلہ افزائی اس کے فروغ میں ممدومعاون بنی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فن شریف اپنی بقا وترقی کے لئے ایسے سہاروں کا محتاج کبھی نہیں رہا ہے جیسا کہ آنے والی تفصیلات سے بھی واضح ہوگا

تیرہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں مسلمانوں نے شمالی ہندوستان میں اپنی باقاعدہ حکومت قائم کی جو دہلی سلطنت کے نام سے معروف ہوئی۔ اس سلسلۂ حکومت کے ۱۵۲۶ء میں خاتمہ کے بعد مغل بادشاہت قائم ہوئی جو کسی نہ کسی صورت میں ۱۸۵۷ء تک باقی رہی۔ اس عہد میں مختلف علوم وفنون (بشمول خطاطی) کو فروغ حاصل ہوا۔ اس دور میں مرکزی ایشیا کے مختلف حصوں سے جو اہل علم وفن ہندوستان منتقل ہو کر یہاں سکونت پذیر ہوئے ان میں خطاطی کے ماہرین بھی شامل تھے۔ اس پورے دور میں شاید ہی کوئی ایسا حکمراں گذرا ہو جس کے دربار سے خطاط منسلک نہ رہے ہوں۔ انھیں شاہی دربار میں کافی قدرومنزلت نصیب ہوئی اور حکمرانوں نے فراخدلی سے ان کی ہمت افزائی بھی کی۔ عام طور پر سلاطین اور بادشاہوں کو کتابیں جمع کرنے اور ذاتی ذخیرۂ کتب قائم کرنے کا شوق تھا۔ اس وجہ سے دربار کے عملہ میں خوشنویس اہم مقام رکھتے تھے۔ وہ کتابوں کی صورت میں خطاطی کے اعلیٰ نمونوں کو گراں قیمت پر خرید کر اس فن میں دل چسپی لینے والوں کے حوصلے بڑھاتے تھے[۵]۔ اس وقت اس فن کو اس قدر اہمیت حاصل تھی کہ اس کی تعلیم وتمرین کا باقاعدہ اہتمام ہوتا تھا اور اس کے بغیر تعلیم نامکمل سمجھی جاتی تھی۔ ایک عالم کے لئے

یہ ضروری تصور کیا جاتا تھا کہ وہ فن خطاطی سے واقف ہو۔ بڑے بڑے مدارس میں اس کی عملی تربیت دی جاتی تھی۔ بعض مدارس کے نصاب میں واضح طور پر خطاطی کا ذکر ملتا ہے[۹]۔ شاہانِ وقت شہزادوں و شہزادیوں کے لئے بھی اس فن کے سکھانے کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔ جیسا کہ اس میدان میں خسرو، پرویز، دارشکوہ، شجاع، گلبدن بیگم، جہاں آرا و زیب النسا، کی مہارت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے[۱۰]۔ خود بادشاہوں میں سلطان ناصر الدین محمود، محمد بن تغلق، بابر و اورنگ زیب اور بہادر شاہ ظفر اس فن سے خصوصی شغف رکھتے تھے[۱۱]۔ ظاہر ہے کہ یہ ماحول فن خطاطی کے فروغ کے لئے بہت ہی سازگار ثابت ہوا اور اس دور میں کثرت سے ماہرین خطاطی پیدا ہوئے۔ عہد مغلیہ کے خطاطان نے سات مشہور طرز[۱۲] میں اپنے جوہر نمایاں کرنے کے علاوہ دیگر متعدد طرز خطاطی (خط گلزار، طاؤس، زلف عروس، سنبل، رعنا، غبار، بہار، ہلالی، ماہی، معکوس وغیرہ) کو بھی فروغ دیا اور اس فن کو غیر معمولی ترقی دی[۱۳]۔ لیکن اصلاً جس چیز نے اس فن کو مقبولیت بخشی و ترقی عطا کی وہ قرآن کریم کی کتابت کو بہترین انداز میں پیش کرنے اور قرآنی آیات کے خوبصورت و جاذب نظر کتبات و طغرٰی تیار کرنے میں مسلمانوں بالخصوص ماہرینِ فن کی دل چسپی و لگن تھی۔ مسلمان قرآن کی کتابت کو موجبِ سعادت و برکت سمجھتے تھے اور اسے ایک نیک مشغلہ کے طور پر اختیار کرتے تھے۔ بعض حضرات جو حکومت کے کاموں یا عوام کی خدمت میں مصروف رہنے کے سبب کوئی وجہِ معاش نہیں اختیار کر پاتے تھے اور بیت المال سے حق الخدمت لینا بھی پسند نہیں کرتے تھے وہ قرآن کی کتابت کر کے اپنی ضروریات پوری کرتے تھے لیکن اس کام سے کم معاوضہ وصول کرنے پر اکتفا کرتے۔ مزید براں کتابتِ قرآن کے کام میں دل چسپی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ اس فن سے واقف نہیں تھے وہ قرآنی نسخوں کی تصحیح میں مصروف رہنا پسند کرتے اور اس کو باعثِ سعادت تصور کرتے تھے[۱۴]۔ اس سے اہم بات یہ کہ عہد اسلامی کے ہندوستان میں نہ صرف علما و صوفیا نے کتابت قرآن کو ایک نیک مشغلہ کے طور پر اختیار کیا بلکہ متعدد سلاطین و امرا نے بھی اس میں دل چسپی دکھائی جیسا کہ آئندہ سطور میں سامنے آئے گا۔

یہ بڑی دل چسپ و اہم بات ہے کہ عہد اسلامی کے ہندوستان میں کتابتِ قرآن کے اولین حوالے سلاطین ہی کے ضمن میں ملتے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی کے پوتے و سلطان مسعود شاہ

کے لڑکے سلطان ابراہیم غزنوی (۱۰۵۹-۱۰۹۹ء) لاہور میں غزنوی سلطنت کے معروف حکمرانوں میں سے تھے۔ وہ خطاطی میں بھی دل چسپی رکھتے تھے اور ماہر "ہفت قلم" کے لقب سے جاتے جاتے تھے قرآن کریم کی کتابت کا انھیں بے حد شوق تھا اور ہر سال دو نسخے کتابت کر کے ایک مکۃ المکرمہ اور دوسرا مدینہ منورہ بھجواتے تھے۔ اس کے تقریباً پانچ سو سال بعد ابوالقاسم فرشتہ نے ذکر کیا کہ سلطان ابراہیم غزنوی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن کے متعدد نسخے "کتابخانہ حضرت رسالت پناہ محمدی" میں تاحال موجود ہیں[۱۵] یہاں یہ وضاحت بھی بے موقع نہ ہوگی کہ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ سے ہی لاہور میں ایک مکتبہ (ادارہ) قایم تھا جس میں دیگر علوم کے علاوہ خطاطی کی تعلیم و تربیت بھی دی جاتی تھی۔ اس عہد میں متعدد خطاط بیرونِ ہند سے آکر یہاں مقیم ہوئے اور انھوں نے فنِ خطاطی کے فروغ میں حصہ لیا۔[۱۶] سلاطین دہلی میں ناصر الدین محمود (۱۲۴۶-۱۲۶۵ء) قرآن کی کتابت میں دل چسپی و انہماک کے لئے سب سے زیادہ مشہور ہیں اور یہ ان حکمرانوں میں شامل ہیں جنھوں نے ذاتی اخراجات کے لئے بیت المال یا حکومت کے وسائل استعمال کرنے کے بجائے کتابتِ قرآن کو وجہ معاش کے طور پر اختیار کیا۔ معاصر مورخ ضیاء الدین برنی نے ان کے اس معمول کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ "وبیشتر نفقہ خود از وجہ کتابت مصحف ساختی"[۱۷]۔ دوسرے مورخ عصامی نے اپنے منظوم تاریخ میں اس کی یہ ترجمانی پیش کی ہے۔

شنیدم کتابت بکردی مدام
ازیں وجہ ہموارہ خوردے طعام[۱۸]

سلطان ناصر الدین تقریباً ۱۹ سال اس نیک مشغلہ میں مصروف رہے اور ہر سال کم از کم دو مصحف کی کتابت مکمل کر لیتے تھے۔[۱۹] وہ اپنے کتابت کردہ مصحف کا ہدیہ بازار کی عام شرح کے مطابق بلکہ اس سے کم ہی قبول کرتے۔ انھوں نے کبھی یہ پسند نہ کیا کہ کاتب کی حیثیت سے ان کا نام ظاہر کیا جائے اور ان کے نسخہ کا گراں قدر ہدیہ ملے۔ ایک دفعہ حکومت کے متعلقین میں سے کسی کو سلطان کے نسخہ کا پتہ چل گیا اور اسے گراں قیمت پر خرید لیا۔ سلطان نے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور صاف طور پر یہ حکم صادر فرمایا کہ بازار میں ان کے کتابت کردہ نسخہ کو فروخت کرتے وقت کسی بھی طرح ان کا نام ظاہر نہ کیا جائے اور عام شرح کے مطابق ہی اس کا

ہدیہ طلب کیا جائے[۲۰]۔ اس احتیاط کی وجہ سلطان کا یہ خیال تھا کہ اگر ان کا نام ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ نسخہ گراں قیمت پر فروخت ہوگا تو اس سے روزی کے حلال ہونے میں خلل واقع ہوگا۔ (تا در وجہ قوتِ حلال اختلال روند ہد[۲۱])۔ یہاں یہ واضح رہے کہ اس زمانے کے دستیاب نسخوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان پر کاتب کا نام درج ہوتا تھا خود سلطان ناصر الدین کی وفات کے بعد ان کے لکھے ہوئے جن نسخوں کا حوالہ ملتا ہے اس سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ابن بطوطہ (جنھوں نے سلطان کی وفات کے تقریباً سو سال بعد محمد بن تغلق کے عہد (۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) میں دہلی کا سفر کیا) نے اپنے سفر نامہ میں بیان کیا ہے کہ انھوں نے قاضی کمال الدین دہلوی کے یہاں سلطان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن دیکھا تھا جس کا خط کافی اچھا تھا[۲۲]۔ "تاریخ خطاطی" کے مصنف اعجاز راہی کے بیان کے مطابق ناصر الدین کے کتابت کردہ نسخے اس وقت بھی جرمنی کی لائبریریوں میں دستیاب ہیں[۲۳]۔

گرچہ سلطان ناصر الدین محمود کے جانشین غیاث الدین بلبن یا ان کے کسی افراد نے کتابتِ قرآن کا مشغلہ اختیار نہیں کیا لیکن ان کے ایک قریبی امیر فخر الدین کوتوال کے بارے میں یہ واضح ثبوت ملتا ہے کہ وہ کاتبینِ قرآن کے بڑے قدردان تھے۔ فخر الدین سلطان بلبن کی حکومت میں کافی اثر ورسوخ رکھتے تھے اور ملک الامراء کے لقب سے جانے جاتے تھے غرباء و مساکین پر داد و دہش اور اہل علم و فن پر انعام و اکرام کیلئے بھی بہت معروف تھے۔ ضیاء الدین برنی کے بیان کے مطابق جب کوئی کاتب قرآن مجید لکھ کر فخر الدین کوتوال کی خدمت میں پیش کرتا تو اسے پہلے انعام سے نوازتے پھر قرآن کا وہ نسخہ کسی ایسے شخص کو ہدیہ کر دیتے جو قرآن پڑھنا سیکھنا چاہتا یا حفظ کا خواہش مند ہوتا[۲۴]۔ یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ڈاکٹر انجم رحمانی نے ضیاء الدین برنی ہی کے حوالہ سے کاتبینِ قرآن پر اس انعام و اکرام کو فخر الدین کوتوال کے بجائے سلطان غیاث الدین بلبن سے منسوب کیا ہے جو صحیح نہیں ہے[۲۵]۔

سلاطین دہلی کے علاوہ تیموری حکمرانوں یا مغل بادشاہوں کے یہاں بھی کتابتِ قرآن کی روایت قائم رہی بلکہ ان کے یہاں شاہی خاندان کے افراد کو فنِ خطاطی کی تعلیم دینے کا زیادہ اہتمام کیا جاتا تھا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ دل چسپ بات یہ کہ ہندوستان میں مغلوں کی حکومت کے قیام سے قبل

بھی تیموری خاندان (جس سے مغل بادشاہ تعلق رکھتے تھے) میں کتابت قرآن کی بعض مثالیں ملتی ہیں۔ امیر تیمور کی پڑپوتی ملک شاہ خانم بنت محمد سلطان نہ صرف خطاطی میں شغف رکھتی تھیں بلکہ مختلف طرزِ خطاطی کی ماہر تھیں انھوں نے خط ریحان میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تحریر کیا تھا اور اس کے آخر میں اپنا نام و شجرۂ نسب خط رقاع میں درج کیا تھا۔ ملک شاہ خانم کا یہ نسخۂ قرآن شاہجہاں کے سفیر تربیت خاں بلخ سے تحفہ کے طور پر لائے تھے[26]

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مناظر احسن گیلانی رقمطراز ہیں:

"اس واقعہ سے صرف مصحف نگاری کا پتہ نہیں چلتا بلکہ یہ بھی کہ شاہی خاندان کی عصمیتان سراپردہ عفت میں خطاطی کا فن کس کمال کو پہنچا تھا۔ آج تو ہم مسلمانوں کے لئے بھی خطِ ریحان وخط رقاع کی اصطلاحات نامانوس ہو چکی ہیں"[27] تیموری خاندان میں شاہرخ کے لڑکے مرزا ابراہیم سلطان بھی خطاطی کے ماہر تھے۔ انھوں نے کتابتِ قرآن میں بھی دل چسپی دکھائی۔ ان سے قرآن کریم کے ایک ایسے نسخہ کی کتابت منسوب کی جاتی ہے جو تقریباً دو گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا تھا۔ اسے انھوں نے شیراز میں بابا لطف اللہ عماد الدین کے مزار پر وقف کیا تھا۔[28]

ہندوستان میں مغل حکومت کے بانی ظہیر الدین بابر خطاطی میں دل چسپی و مہارت کے لئے بہت معروف ہیں۔ وہ ایک مخصوص طرز خطاطی کے موجد بھی تھے جو "خط بابری" کے نام سے موسوم ہوا۔[29] بعض جدید اسکالرس کے خیال میں خط ثلث کے بھرپور دائروں میں رقاع کی نوک پلک دے کر خطِ طغریٰ کی کرسی و نشست سے یہ خوبصورت خط ایجاد کیا گیا تھا[30] بابر نے اس خط کو کتابتِ قرآن کے لئے بھی استعمال کیا۔ اس نے خط بابری میں قرآن کا ایک نسخہ لکھ کر مکہ مکرمہ بھیجا تھا[31]۔ یہ نسخہ کتاب خانہ آستانہ قدس (مشہد) میں دستیاب ہے۔[32]

مغل دور میں خطاطی میں دل چسپی لینے والے اور اس فن کو فروغ دینے والے اور بھی بادشاہ گذرے ہیں لیکن خاص طور سے خطاطیٔ قرآن کے فروغ میں دل چسپی کے لئے شاہجہاں و اورنگزیب زیادہ معروف ہیں۔ شاہجہاں (١٦٢٨۔١٦٥٨ء) بذاتِ خود فنِ خطاطی سے بخوبی واقف تھے اور اس فن کو ترقی دینے میں انھوں نے بھرپور دل چسپی لی۔ خود تو قرآن کریم کی کتابت کا مشغلہ اختیار نہ کیا لیکن خطاطیِ قرآن کریم کے ماہرین کی سرپرستی و حوصلہ افزائی میں پوری فراخدلی کا ثبوت دیا۔

انھیں بیش بہا انعام دینے کے ساتھ عظیم الشان خطابات سے بھی نوازتے۔ اس عہد کے مشہور خطاط عبدالباقی حداد نے جب پورا قرآن شریف تیس ورق میں خوبصورت نسخ میں لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تو انھیں "یاقوت رقم" کا لقب عطا کیا۔ اسی طرح اسی دور میں بعض دوسرے خطاط "جواہر رقم" "وزریں رقم" کے لقب سے بھی نوازے گئے۔[۳۳] شاہجہاں کے دور میں ہی امیر تیمور کی پڑپوتی ملک شاہ خانم کا خط ریحان میں لکھا ہوا نسخہ قرآن بلخ سے دہلی مغل دربار میں لایا گیا۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو انھوں نے اسے دیکھ کر انتہائی فرحت وانبساط ظاہر کیا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔[۳۴]

شاہجہاں کے جانشین اورنگ زیب عالمگیرؒ (۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) بھی خطاطی میں خصوصی شغف رکھتے تھے۔ خط نسخ ونستعلیق دونوں میں انھیں یدطولیٰ حاصل تھا۔[۳۵] بادشاہ نے اس فن کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی اور اس زمانہ کے معروف خطاط عبدالباقی حداد اور میر علی خاں حسینی ان کے استادوں میں شامل تھے۔[۳۶] اورنگ زیب اس فن کے ماہرین کے بڑے قدرداں تھے اور بالخصوص کتابتِ قرآن میں اس فن کا مظاہرہ کرنے والوں کی خوب ہمت افزائی کرتے تھے۔ خط نسخ وثلث[۳۷] کے ماہر محمد عارف نے جب بادشاہ کی خدمت میں کتابتِ قرآن میں اپنی فن کاری کا نمونہ پیش کیا تو انھیں شاہی دربار سے "یاقوت رقم دوم" کا خطاب ملا۔[۳۸] مرزا محمد جب ۱۶۶۵ء میں منگی پٹن سے قرآن کریم کے ایک نادر نسخہ کی نقل تیار کر کے دربار میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے انھیں ہزاروں روپیہ انعام عطا کیا۔[۳۹] ۱۶۷۰ء میں جب میر خان نے نامور خطاط یاقوت کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن کا ایک نسخہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا تو انھوں نے برجستہ فرمایا "تم نے ایسا تحفہ پیش کیا ہے جو دنیا ومافیہا سے بڑھ کر ہے" اور انھیں بطور انعام ایک ہاتھی عطا کیا۔[۴۰] عہد عالمگیری میں خطاطی قرآن کو جو فروغ حاصل ہوا اس میں خود سلطان کی دلچسپی کا کافی دخل تھا۔ معاصر مورخ منشی محمد کاظم کے بیان کے مطابق بادشاہ نے ایام شاہزادگی ہی سے کتابتِ قرآن کا مشغلہ اختیار کیا اور اس دوران جو نسخہ تیار کیا تھا اسے قیمتی تحائف وخطیر رقم کے ساتھ مکہ مکرمہ بھجوایا۔ انھوں نے یہ نیک مشغلہ تخت نشینی کے بعد بھی جاری رکھا۔ اور اس کے لئے فن خطاطی میں اپنی مہارت کا بھرپور استعمال کیا اور اس طرح دوسرا نسخہ بھی انھوں نے مکمل کر لیا۔[۴۱] دوسرے معاصر مورخ ساقی مستعد خاں

نے ذکر کیا ہے کہ اورنگ زیب کے روزمرہ کے معمولات میں کتابت قرآن بھی شامل تھا۔ انھوں نے قرآن کریم کے دو نسخے تیار کیے تھے۔ ان دونوں نسخوں کو بادشاہ نے مطلا و مذہب کرایا اور ان کی نہایت خوبصورت جلد بنوائی جس پر تقریباً سات ہزار روپے خرچ کیے تھے۔ اور پھر انھیں قیمتی تحفوں کے ساتھ نہایت اہتمام سے مدینہ منورہ بھجوایا۔[۴۲] اورنگ زیب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مذہب و منقش نسخہ قرآن مع فارسی ترجمہ مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) شعبہ مخطوطات (حبیب گنج کلکشن) میں دستیاب ہے۔ یہ ۱۰۸۷ھ (۱۶۷۶ء) کا کتابت کردہ ہے۔

دہلی سلاطین و مغل بادشاہوں کے علاوہ بعض علاقوں کے آزاد حکمران بھی خطاطی میں مہارت وکتابت قرآن میں دلچسپی کے لیے معروف تھے۔ دکن کے سلاطین میں فیروز شاہ بہمنی (۱۳۹۷-۱۴۲۲ء) دینداری کے لیے معروف تھے۔ انھوں نے کتابتِ قرآن میں دلچسپی لی اور اسی کو وجہ معاش کے طور پر اختیار کیا۔[۴۳] گجرات کے خود مختار حکمراں مظفر شاہ (۱۵۱۱-۱۵۲۵ء) نہ صرف خطاطی کے دلدادہ تھے بلکہ نسخ، ثلث ورقاع تینوں طرز کے مطابق انھیں خطاطی کا بہترین ملکہ حاصل تھا۔ تاریخ فرشتہ کے بیان کے مطابق وہ مسلسل قرآن کریم کی کتابت کرتے رہتے تھے ایک نسخہ مکمل ہو جاتا تو حصول ثواب و برکت کے لیے اسے حرمین شریفین بھجوا دیتے۔[۴۴]

مغلیہ دور میں شہزادوں اور شہزادیوں میں بھی فن خطاطی بڑا مقبول رہا ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا اور اہم بات یہ کہ ان میں سے بعض نے خطاطیِ قرآن میں دلچسپی لی اور کتابتِ قرآن کے لیے اپنی خطاطانہ مہارت کو استعمال کیا۔ شہزادہ پرویز (جہانگیر کے لڑکے) عربی و فارسی زبان سے بخوبی واقفیت کے علاوہ حسنِ خط کے لیے بھی معروف تھے اور انھیں خاص طور سے نسخ میں کمال حاصل تھا۔ قرآنِ کریم کی خطاطی کا انھیں بچپن ہی سے شوق تھا جو آخر عمر تک باقی رہا۔ صاحبِ تذکرہ خوش نویساں کے الفاظ میں "در علم عربی و فارسی و نوشتن خطوط بغایت آراستہ و پیراستہ بود اکثر اوقات بکتابت کلام اللہ صرف می نمود"۔[۴۵] یہ روایت بھی ملتی ہے کہ شہزادہ پرویز کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ قرآن جہانگیر کے مطالعہ میں تھا۔[۴۶] خطاطی میں دارا شکوہ کی دلچسپی و مہارت یقینی طور پر ثابت ہے۔[۴۷] قرآن کریم کی کتابت میں بھی ان کی دلچسپی کے بعض حوالے ملتے ہیں۔ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن کا ایک نسخہ عزیز باغ لائبریری (حیدرآباد) میں محفوظ ہے جس کے

حروف شروع سے آخر تک سنہرے ہیں۔اسی طرح خطِ نسخ میں ان کا تیار کردہ ایک مطلا پنج سورہ وکٹوریہ میموریل ہال، کلکتہ میں دستیاب ہے[۴۸] مزید براں دارا شکوہ کے ذاتی مصحف کا بھی حوالہ ملتا ہے جو ان کے زیر تلاوت رہتا تھا۔ گرچہ یہ قطعی طور پر ثابت نہیں کہ وہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ مولانا مظہر علیم (سفیر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس وقریبی رفیق مولانا مناظر احسن گیلانی) کے بیان کے مطابق نواب حسام حیدر رئیس کمیلہ (مشرقی بنگال۔ موجودہ بنگلہ دیش) کے پاس قرآن شریف کا ایک مطلا و مذہب نسخہ موجود تھا جو چکنے دبیز کاغذ پر بڑی تقطیع میں لکھا ہوا تھا۔ وہ اسے دارا شکوہ کا مصحف خاص بتاتے تھے۔ جس پر شہزادہ کی مہر بھی تھی۔ نواب صاحب نے یہ بھی واضح کیا تھا کہ انھوں نے یہ نسخہ ایک یوروپین خاتون سے خریدا تھا[۴۹] شہزادیوں میں جہاں آرا بنت شاہجہاں اور زیب النساء بنت اورنگ زیب خاص طور سے فن خطاطی میں کمال اور اس کے فروغ میں دل چسپی کے لئے مشہور ہیں[۵۰] لیکن قرآن کریم کی کتابت میں دل چسپی کا واضح ثبوت صرف جہاں آرا سے متعلق ملتا ہے ۔ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآنی آیات کا ایک مجموعہ مع فارسی ترجمہ مولانا آزاد لائبریری (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کے شعبہ مخطوطات (حبیب گنج کلکشن) میں "آیات بینات" کے نام سے دستیاب ہے۔ متفرق آیات کا یہ مجموعہ ۶۷، اوراق پر مشتمل ہے اور اس کا سنہ کتابت ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۲ء ہے۔ اس نسخہ کے ٹائیٹل کور پر مختصر تعارف میں اسے شہزادی جہاں آرا سے منسوب کرتے ہوئے یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ اسے شہزادی نے اس وقت لکھا جب ان کے والد ماجد آگرہ کے قلعہ میں اسیر تھے۔ وہ تنہائی کے عالم میں اپنا زیادہ وقت عبادت وغیرہ میں گذارتی تھیں۔ مزید براں اس نسخہ پر شاہجہاں اورنگ زیب واجد علی شاہ کی مہریں بھی ثبت ہیں[۵۱]

اوپر کی تفصیلات سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عہد اسلامی کے ہندوستان میں بادشاہوں وشہزادوں میں یہ فن کافی مقبول رہا ہے اور بعض نے خاص طور سے کتابتِ قرآن میں دل چسپی کا مظاہرہ کیا اور اس کے لئے خطاطی میں اپنی مہارت سے بھی کام لیا۔ لیکن اس عہد میں کتابتِ قرآن کی روایت کو استحکام بخشنے اور خطاطیِ قرآن کو ترقی دینے میں علماء کا حصہ بھی بہت نمایاں رہا ہے۔ یہ بات عام طور پر معروف ہے کہ اس زمانے کے بیشتر خطاط علماء ہی کے قبیل سے تھے۔ معروف روایات کے مطابق سرزمین ہند میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ عہد خلافت راشدہ سے شروع

ہوا اور یہاں یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ اسی زمانہ سے مکران و سندھ کے علاقہ میں بعض ایسے علماء ورود فرما ہوئے جو خطاطی میں خاص شغف رکھتے تھے۔ ان اولین واردین ہند میں حکم بن عمرو الثعلبی، (م ۵۰ھ) عبید اللہ بن معمر التیمی (م ۲۹ھ) و ابو حفص محدث بصری قابل ذکر ہیں اول الذکر دونوں بالترتیب حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوران ۲۳ھ و ۲۹ھ میں مکران آئے اور کچھ عرصہ یہاں مقیم رہے۔ اور موخر الذکر خلیفہ مہدی کے عہد (۷۷۵ - ۷۸۵ء) میں سندھ کے علاقہ میں فروکش ہوئے[۵۲]

## محمد بن ادریس بصری

غزنوی دور میں عرب ممالک سے ہندوستان منتقل ہونے والوں میں محمد بن ادریس بصری شامل تھے۔ یہ لاہور کے ممتاز عالم شیخ محمد اسماعیل محدث (م ۱۰۵۶ء) کے معاصرین میں سے تھے۔ محمد بصری پہلے لاہور اور بعد میں دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ خطاطی کے ماہر تھے اور قرآن کریم کی کتابت میں بھی دل چسپی رکھتے تھے۔ انھوں نے باریک خوبصورت جلی پر سنہری حاشیوں کے ساتھ قرآن لکھا اور اس میں خطاطی کے تین مختلف طرز اختیار کیے۔ سورتوں کے نام ثلث میں و متنِ قرآن نسخ میں لکھا جبکہ ہر آیت کے پہلے لفظ کے لیے خفی رقاع کا طریقہ استعمال کیا۔[۵۳]

تیرہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں دہلی سلطنت کے قیام کے بعد ہندوستان میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین کی آمد کا سلسلہ مزید آگے بڑھا اور رفتہ رفتہ خود ہندوستانی مسلمانوں میں بھی دل چسپی لینے والے پیدا ہوئے اور ان میں بعض ایسے تھے جنھوں نے خاص طور سے خطاطی قرآن میں رغبت دکھائی۔ ان میں کچھ ایسے تھے جنھوں نے اسے ایک نیک مشغلہ کے طور پر اختیار کیا اور اس خدمت کا کم سے کم معاوضہ وصول کرنے پر اکتفا کیا۔ ان میں سے چند ممتاز کاتبینِ قرآن کا تذکرہ ذیل میں دیا جارہا ہے۔

## فخر الدین مروزی

سلطان علاء الدین خلجی (۱۲۹۵ - ۱۳۱۵ء) و اولین تغلق سلاطین کے معاصر اور اس زمانہ کے مشہور عالم و صوفی شیخ فخر الدین مروزی (م ۱۳۲۷ء) کا خاص مشغلہ کتابتِ قرآن تھا۔

وہ شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدین میں سے تھے اور گوشہ نشین رہنا زیادہ پسند کرتے تھے شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے بیان کے مطابق وہ قرآن کریم کی کتابت کے بعد لوگوں سے پوچھتے کہ (بازار کی عام شرح کے مطابق) اس کا کیا معاوضہ ہوگا لوگ بتاتے کہ فی جزو شش گانی تو فرماتے کہ میں فی جزو چار جیتل سے زیادہ نہ لوں گا اور اگر کوئی حصول برکت کی خاطر اس سے زیادہ دینے کی کوشش کرتا، تو اسے ہرگز قبول نہ کرتے[۵۴] بڑھاپے میں جب وہ کتابت سے معذور ہوگئے تو قاضی حمید الدین کی سفارش پر سلطان علاء الدین خلجی کی جانب سے یومیہ ایک ٹنکہ وظیفہ مقرر ہوا تو اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ایک شش گانی (یعنی روزانہ کی کتابت کی اجرت کے مساوی) سے زیادہ لینے پر تیار نہ تھے۔ آخر میں کافی اصرار کے بعد دو شش گانی قبول کرنے پر راضی ہوئے۔[۵۵]

## جلال الدین مانکپوری

جلال الدین مانکپوری (م ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء) چشتی سلسلے کے صوفیوں میں سے تھے۔ تعلیم و تبلیغ کے علاوہ ان کے روزمرہ کے معمولات میں کتابتِ قرآن کا مشغلہ بھی شامل تھا۔ اسے انھوں نے وجہ معاش کے طور پر اختیار کیا تھا اور قرآن کے تئیں ان کے جذبۂ احترام کا یہ عالم تھا کہ وہ بغیر وضو قلم نہیں پکڑتے تھے۔ وہ اپنے کتابت کردہ نسخوں کو دہلی بھیجتے تھے جہاں ان کا ہدیہ (فی نسخہ) پانچ سو ٹنکہ ملتا تھا۔[۵۶] اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی کتابت بہت معیاری و اعلیٰ درجہ کی تھی اس لئے کہ اسی زمانے میں دہلی میں قرآن کریم کے نسخے ایک یا دو ٹنکہ کے عوض بھی دستیاب تھے جیسا کہ قاضی برہان الدین نے دہلی میں ایک ٹنکہ ہدیہ میں ایک مصحف خریدنے کا ذکر کیا ہے۔[۵۷]

## شیخ جنید حصاری

شیخ جنید شیخ فریدالدین گنج شکر کی اولاد میں سے تھے اور عہد وسطیٰ میں پنجاب اور موجودہ دور میں ہریانہ کے معروف شہر حصار سے تعلق رکھتے تھے۔ کتابت کے میدان کے ماہر تھے۔ انھوں نے قرآن کریم کی کتابت میں بھی دلچسپی لی۔ ان کی کتابت کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بیان کے مطابق وہ تین روز میں اعراب کے ساتھ پورے قرآن کریم کی کتابت کر لیتے تھے۔ صاحبِ اخبار الاخبار نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اسے خرقِ عادت کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا

جاسکتا۔[۵۴]

## شیخ علی المتقی برہانپوری

شیخ علی متقی (م ۱۵۶۷ء) اپنے عہد کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ انھوں نے علم حدیث کی تکمیل حجاز میں کی جہاں انھوں نے خاص طور سے محمد بن محمد سخاوی اور ابن حجر مکی سے استفادہ کیا۔ حدیث کے میدان میں ان کے تصنیفی کارنامے آج بھی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں[۵۵] علم حدیث کی اشاعت کے علاوہ کتابت قرآن سے بھی انھیں دل چسپی تھی۔ ان کا ذریعہ معاش کتابوں کی کتابت تھا لیکن یہ واضح نہیں کہ وہ قرآن کی کتابت کو اس مقصد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ کتابت قرآن کے سلسلہ میں ان سے ایک نادر نسخہ کی کتابت بھی منسوب کی جاتی ہے۔ صاحب طبقات الکبریٰ عبدالوہاب شعرانی نے ان کے تذکرہ میں یہ بات کیا ہے کہ مکۃ المکرمہ میں ملاقات کے دوران شیخ نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے ایک مصحف کے بارے میں بتایا کہ اس کی ہر سطر ربع حزب پر مشتمل تھی اور ایک ہی ورق میں انھوں نے پورا قرآن لکھ دیا تھا[۵۶] جو یقیناً ایک عجوبہ روزگار تھا۔

## خواجہ عبدالصمد شیریں

خواجہ عبدالصمد ان ماہرین خطاطی میں شامل ہیں جو بابر کے ساتھ ہندوستان آئے انھیں اس میدان میں ہمایوں کی استادی کا بھی شرف حاصل ہوا اور وہ دربار اکبری سے بھی منسلک رہے ہیں۔ وہ فن خطاطی بالخصوص نستعلیق میں امتیاز رکھتے تھے۔ عہد اکبری میں انھیں چہار صدی منصب عطا ہوا۔ اور فتح پور سیکری میں ٹکسال کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ انھوں نے خشخاش کے دانہ پر سورۂ اخلاص لکھ کر فن کتابت میں اپنی مہارت کا مظاہرہ کیا۔ بادشاہ کے سامنے جب خطاطی کا یہ نادر نمونہ پیش ہوا تو وہ اسے دیکھ کر کافی خوش ہوا۔[۵۷]

## ابراہیم استرآبادی

ابراہیم استرآبادی بھی اکبر کے معاصرین میں سے تھے، نسخ و نستعلیق دونوں میں مہارت

رکھتے تھے[۶۲] انھوں نے قرآن کریم کی کتابت میں دل چسپی لی اور خط غبار[۶۳] میں اس کا ایک نسخہ تیار کیا۔ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ، قرآن دہلی میوزیم میں محفوظ ہے۔ جس پر سنہ کتابت ۹۵۷ھ (۱۵۵۰ء) درج ہے[۶۴] اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نسخہ کی کتابت عہد اکبری (۱۵۵۶ - ۱۶۰۵ء) سے قبل عمل میں آئی اگرچہ مورخین عام طور پر ابراہیم استرابادی کو عہد اکبری کے خطاطوں کے ضمن میں ذکر کرتے ہیں۔

## علی جو کاشمیری

علی جو کاشمیر کے نامور خطاطان میں سے تھے۔ یہ میر علی خوشنویس کے شاگردوں میں سے تھے جو سلطان حسین شاہ (۱۵۶۳ - ۱۵۷۰ء) کے عہد میں ایران سے کشمیر آئے اور ہفت قلم ہونے کے علاوہ تعلیق و نستعلیق کے ماہر تھے علی جو کاشمیری کو بھی اس میدان میں امتیاز حاصل ہوا۔ انھوں نے خاص طور سے نسخ و ثلث میں مہارت دکھائی اور انہی طرز کے مطابق انھوں نے کشمیر میں قرآن کی خطاطی کو فروغ دیا۔[۶۵]

## عبدالقادر بدایونی

عہد اکبری کے معروف عالم عبدالقادر بدایونی مورخ کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ اس دور کے ان لوگوں میں بھی شامل ہیں جنھوں نے حصول برکت و ثواب کی خاطر قرآن کریم کی کتابت کی۔ اس کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ اکبر کی ہدایت پر بدایوں نے نقیب خاں کے اشتراک سے مہابھارت کا فارسی ترجمہ کرنا شروع کیا تھا جسے وہ نقل بھی کرتے جاتے تھے۔ تقریباً چار ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا اسی دوران بادشاہ اور ان میں اختلافات پیدا ہو گئے یہاں تک کہ وہ شاہی عتاب کا نشانہ بھی بنے۔ ان حالات میں مہابھارت کے ترجمہ کا سلسلہ بھی موقوف ہو گیا۔ اس کے بعد بدایونی نے قرآن کریم کی کتابت شروع کی اور یہ امید ظاہر کی کہ ان کا یہ عمل پہلے لکھی جانے والی کتابوں کا کفارہ ثابت ہو گا اور دنیوی زندگی میں موجب سکون و آخرت میں ذریعہ شفاعت بھی بنے گا۔ مزید برآں بدایونی نے خود یہ صراحت کی ہے کہ

انھوں نے قرآنِ کریم کا یہ نسخہ خطِ نسخ میں "لوح وجدول" کے ساتھ تیار کیا تھا اور اسے انھوں نے اپنے پیر و مرشد شیخ داؤد جہنی وال (م ۱۵۷۵ء) کے روضہ پر وقف کیا۔[۴۷] یہاں یہ واضح رہے کہ کتاب کے اولین ورق کی پیشانی پر جو گل کاریاں کی جاتی تھیں اسے "لوح" کہا جاتا تھا اور ہر ورق کے حوض کو لکیریں کھینچ کر جو دیدہ زیبی اور کتابت میں رعنائی پیدا کی جاتی تھی اسے جدول کہتے تھے۔ اس کی ابتدا اصلاً قرآن کریم کی کتابت کے ضمن میں ہوئی تھی اور بعد میں دوسری کتابوں میں بھی اس کا رواج شروع ہوا۔[۴۸]

## عبد الباقی حداد

عبد الباقی حداد عہد شاہجہانی کے نامور خطاطوں میں سے تھے اور نسخ و نستعلیق میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ اس میدان میں ان سے مستفید ہونے والوں میں اورنگ زیب بھی شامل تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ عبد الباقی کتابتِ قرآن میں شغف رکھتے تھے ان کے کتابت کردہ دو نسخے کافی مشہور ہوئے ایک سی (تیس) ورقی اور دوسرا چوب قلم تھا۔ تذکرہ خوشنویساں اور صحیفہ خوش نویساں کے مولفین کے بیان کے مطابق عبد الباقی نے اپنا اولین نسخہ اورنگ زیب کو ان کی شاہزادگی کے دوران پیش کیا تھا، جسے انھوں نے کافی پسند کیا اور کاتب کو "یاقوت رقم" کا خطاب عطا کیا۔[۴۹] دوسری جانب جدید دور کے بعض مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ عبد الباقی حداد نے اپنا تیس ورقی نسخہ شاہجہاں کی خدمت میں پیش کیا تھا اور انہی کی جانب سے وہ "یاقوت رقم" کے خطاب سے نوازے گئے، مزید براں انھوں نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ عبد الباقی نے یہ نسخہ نسخِ خفی میں اس طور پر کیا تھا کہ خفی جلی کی طرح پڑھا جائے اور یہ اہتمام بھی کیا تھا کہ اس کی ہر سطر الف سے شروع ہو۔ بادشاہ نے جب یہ نسخہ دیکھا تو کافی خوش ہوا اور عبد الباقی کو "یاقوت رقم" کا خطاب دینے کے ساتھ انھیں ان کے وزن کے برابر سکہ رائج الوقت بھی مرحمت کیا۔[۵۰] عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان (ٹونک) میں عبد الباقی کا رقم کردہ یہ نادر نسخہ محفوظ ہے۔[۵۱]

## محمد عارف

عبد الباقی حداد کے شاگردوں میں محمد عارف خطاطی میں مہارت اور قرآن کریم کی کتابت کے

لئے معروف ہوئے۔ انھیں نسخ وثلث کے مطابق کتابت کا خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ وہ شہزادگانِ عالمگیر کے استادانِ کتابت میں بھی شامل تھے۔ ان کے کتابت کردہ نسخوں میں دو زیادہ مشہور ہوئے۔ ایک نسخ میں سنہری حرفوں والا اور دوسرا خط ثلث میں لکھا ہوا۔ اس فن میں امتیاز کی وجہ سے اورنگ زیب عالمگیر نے انھیں یاقوت رقم دوم کا خطاب عطا کیا تھا[۳۵]۔ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن کا ایک نسخہ دہلی میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس پر سنہ کتابت ۱۰۸۰ھ (۱۶۶۹ء) مرقوم ہے[۳۶]۔

## محمد صادق طباطبائی

محمد صادق طباطبائی جو نواب مرید خاں کے نام سے معروف تھے محمد شاہ (۱۷۱۹-۱۷۴۸ء) کے امراء میں سے تھے سیاست وحکومت سے تعلق کے ساتھ پڑھنے لکھنے میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ انھیں خاص طور سے کتابت کا شوق تھا۔ وہ تعلیق، ثلث وشکستہ کے ماہر تھے۔ قرآن کریم کی کتابت میں بھی انھوں نے دلچسپی دکھائی۔ قرآن کریم کے نسخے تیار کرنے میں انھوں نے مختلف طرز استعمال کئے۔ صاحب تذکرہ خوشنویساں نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے خط ریحان، ثلث ونسخ میں محمد صادق طباطبائی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے متعدد نسخے لکھنؤ میں دیکھے تھے[۳۷]۔

## قاضی عصمت اللہ خاں

مغل بادشاہت کے آخری دور میں شاہ عالم ثانی (۱۷۵۹-۱۷۸۸ء) کے معاصرین میں قاضی عصمت اللہ (م ۱۷۷۲ء) ایک نامور خطاط گذرے ہیں۔ ان کے جوہر خاص طور سے خط نسخ میں نمایاں ہوئے اور غلام محمد ہفت قلمی کے بیان کے مطابق وہ اس میدان میں یاقوت مستعصمی (م ۶۹۸ھ/۱۲۹۸ء) پر بھی سبقت لے گئے وہ اسی طرز کے مطابق قرآن کریم کی کتابت بھی کرتے تھے۔ قرآن کے نسخوں کے علاوہ انھوں نے متعدد حمائل بھی قلمی یادگار چھوڑے ہیں[۳۸]۔

## تلامذہ قاضی عصمت اللہ خاں

فنِ کتابت کے میدان میں قاضی عصمت اللہ سے کافی لوگ فیض یاب ہوئے ان کے تلامذہ

میں متعدد نے کتابت قرآن میں بھی دل چسپی دکھائی۔ ان کے حقیقی بھائی فیض اللہ اور بھتیجے عبد اللہ خاں قرآن کی کتابت کے لئے معروف ہوئے۔ صاحب تذکرہ خوش نویساں کے بیان کے مطابق عبد اللہ خاں نے اپنے چچا کے شروع کیے ہوئے نسخوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور دونوں کا خط اتنا ملتا جلتا تھا کہ اہلِ نظر کے لئے بھی ان میں تمیز کرنا مشکل تھا۔[۳۶] قاضی عصمت اللہ کے شاگردوں میں میر کرم علی نسخ میں مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے قاضی عصمت اللہ سے خاص طور سے اسی طرز کے مطابق قرآن کریم کی کتابت کا فن سیکھا تھا۔[۳۷] مزید براں ان کے ایک دوسرے شاگرد میاں محمدی نے بھی قرآن کریم کی کتابت کا مشغلہ اختیار کیا۔ وہ اکثر اپنے استاد کے لکھے ہوئے نسخوں کو سامنے رکھ کر قرآن مجید کے دوسرے نسخے تیار کرتے تھے۔[۳۸]

## محمد حفیظ خاں

محمد حفیظ خاں (م ۱۷۹۸ء) فردوس آرام گاہ محمد شاہ کے معاصر اور خطاطی کے ماہرین میں سے تھے۔ پہلے وہ مغل انتظامیہ سے منسلک تھے اور داروغۂ یساولان (فوجی محافظین کے افسر) کی ذمہ داریاں انجام دے رہے تھے بعد میں اس سے سبکدوشی حاصل کر کے عبادت و ذکر الٰہی میں مشغول رہنے لگے۔ انھیں کتابتِ قرآن کا شروع ہی سے شوق تھا جو آخر عمر تک جاری رہا اور سرکاری ملازمت کے دوران بھی یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ نستعلیق، نسخ، شکستہ و ثلث میں وہ استادانہ مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے خطِ نسخ میں قرآن مجید کے متعدد نسخے تیار کئے تھے۔ ان میں کچھ مذہب و مطلا بھی تھے جنھیں انھوں نے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور داد تحسین حاصل کیا۔ خطاطی کے میدان میں محمد حفیظ خاں سے مستفید ہونے والوں میں "تذکرہ خوش نویساں" کے مصنف غلام محمد ہفت قلمی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) بھی شامل تھے۔[۳۹]

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ عہد اسلامی کے ہندوستان میں مسلمانوں میں مختلف طبقہ کے لوگوں نے قرآن کریم کی کتابت میں دل چسپی لی۔ ان میں علماء و مشائخ، سلاطین و شہزادے اور عام کاتبین و ماہرین خطاطی سبھی شامل تھے۔ اس میں دل چسپی لینے والوں کا ایک طبقہ وہ تھا جو کتابتِ قرآن کو ایک نیک مشغلہ کے طور اختیار کرتا تھا۔ ان کی مستقل مصروفیات کچھ اور ہوتی تھیں لیکن وہ اپنے گذر بسر یا وجہ معاش کے لئے قرآن کے نسخے تیار کرتے وہ اس کام کو باعثِ

ثواب سمجھتے تھے اور اس کا جو کچھ بھی معاوضہ ملتا وہ اسے بابرکت وجہ معاش تصور کرتے تھے خاص بات یہ کہ وہ اپنے نسخوں کا کم سے کم ہدیہ لینا پسند کرتے تھے۔ مزید براں خالص ثواب کی نیت سے کتابتِ قرآن کی روایت اس زمانہ میں اس طور پر اور مستحکم ہوئی کہ بعض حضرات اپنے کتابت کردہ نسخوں کو حرمین شریفین بھیجتے تھے تاکہ وہاں ان کی تلاوت سے کاتبین کو مزید ثواب حاصل ہو۔ بابر، اورنگ زیب اور گجرات کے حکمران مظفر شاہ کے ضمن میں اس نیک روایت کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ عبد القادر بدایونی نے ایک بزرگ کے مزار پر اپنے نسخہ کو وقف کر کے ایک دوسری روایت قائم کی۔ عہد اسلامی کے ہندوستان میں قرآن کریم کی کتابت کا یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ کتابت کے عام انداز اختیار کرنے کے علاوہ اس میں فنِ خطاطی کا مظاہرہ بھی کیا گیا۔ عہد مغلیہ میں ایسے کاتبین کی کمی نہیں تھی جنھوں نے قرآن کی خطاطی کے اعلیٰ و دلکش نمونے پیش کئے اور قرآن کریم کی کتابت میں خطاطی کے مختلف طرز استعمال کئے۔ لیکن اِن سب میں سب سے معروف و مقبول طرز نسخ تھا اس عہد کے قرآن کریم کے بیشتر نسخے اسی خط میں ملتے ہیں۔ یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ عہد شاہجہانی کے عبد الباقی حداد نے نسخ کو آراستہ و پیراستہ کر کے عروس الخط بنایا۔

انھوں نے قرآن کریم کو نسخ ہی کے ایک مخصوص طرز نسخ خفی میں اس طور پر لکھا کہ خفی جلی کی طرح پڑھا جائے۔ اس زمانہ میں قرآن کریم کی کتابت کے لئے نسخ کے علاوہ جن دوسرے خطوط کے استعمال کا ذکر ملتا ہے وہ ہیں نستعلیق، ثلث، رقاع، بابری، غبار و بہار۔[۵۶] "اسلامی ہند میں فن خطاطی" کے مصنف شوکت علی خاں کی تحقیق کے مطابق عہد اسلامی کے ہندوستان میں "خط بہار" میں بھی قرآن کریم کے نسخے کثرت سے تیار کئے گئے۔ مزید براں اوپر کی تفصیلات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید کی کتابت میں مختلف طرز اپنانے کے علاوہ اس زمانہ کے ماہرین خطاطی نے قرآن مجید کے نادر نسخے تیار کرنے میں بھی دلچسپی لی کسی نے خشخاش کے دانہ پر سورہ اخلاص لکھ کر اور بعض نے ایک سطر میں ربع حزب قرآن کی کتابت کر کے خطاطی میں اپنی غیر معمولی مہارت کا مظاہرہ کیا ایک جانب تیس ورق میں پورے قرآن کی کتابت اس طور پر مکمل کرنے کی مثالیں سامنے آئیں کہ ہر سطر الف سے شروع ہو تو بعض کاتبوں نے تین دن میں پورا قرآن لکھ کر زود نویسی کا عجیب و غریب نمونہ پیش کیا مزید براں کتابت کے معیار کے اعتبار سے عہد اسلامی کے ہندوستان کے نسخوں میں اتنا تنوع تھا کہ اسی زمانہ میں جب دہلی میں ایک ٹنکہ ہدیہ میں مصحف دستیاب تھا وہاں

بعض اعلیٰ قسم کے نسخے پانچ سو ٹنکہ سے کم ہدیہ میں ملنے مشکل تھے۔ ان سب باتوں کے علاوہ اوپر کے مباحث سے یہ حقیقت بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اہل ایمان اس عظیم کتابِ ہدایت کو اس قدر محترم و عزیز رکھتے ہیں کہ اس سے متعلق ہر عمل (قرأت، تلاوت، کتابت، تدبر و تفکر اور ترجمہ و تفسیر) کو وہ موجبِ برکت و ثواب اور باعثِ رحمت سمجھتے ہیں اور اسے انجام دینا وجہ سعادت تصور کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عہدِ زیر بحث میں مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور عوام و خواص دونوں میں کتابتِ قرآن میں دلچسپی کے مظاہر ملتے ہیں اور اس عہد کے علماء و مشائخ، سلاطین و امراء، اور کاتبین و خطاطان کے کتابت قرآن کے نمونے اب بھی دستیاب ہیں۔

# حواشی و مراجع

لہ ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۷۶ء، ۶/۳۹۶-۳۹۷

ٰٰٓٓ۲ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم و فضلہ، دار الکتب الحدیثۃ، القاہرہ ۱۹۷۵ء، ص ۹۱

۳ ابن جریر طبری، تفسیر طبری، دار الفکر، بیروت ۱۹۷۸ء، ۱۲/۲۹، ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، دار احیاء الکتب العربیہ مصر (ب ت) ۴/۴۰۲

۴ جامع ترمذی، ابواب القدر، باب ماجاء فی الرضا بالقضاء۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔ قلم کی اہمیت و فضیلت پر خطیب ابوالفضل گازرونی (م ۱۵۳۶ء) کا عربی رسالہ (الرسالۃ القلمیہ) معروف ہے (حاجی خلیفہ چلپی، کشف الظنون استنبول ۱۹۴۱ء، ۱/۸۸۴)

۵ تفصیل کے لیے رجوع فرمائیں: بدر الدین زرکشی، البرہان فی علوم القرآن عیسی البابی الحلبی و شرکاہ ۱۹۵۷ء، ۱/۲۵۰-۲۵۱۔ محمد عبد العظیم الزرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن، دار احیاء الکتب العربیہ، مصر ۱۳۷۲ھ، ۱/۳۹۹-۴۰۰، مظہر الدین احمد بلگرامی، عیون العرفان فی علوم القرآن، علی گڑھ ۱۹۸۰ء، ص ۱۰۴-۱۰۸

۶ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: غلام محمد ہفت قلمی، تذکرہ خوش نویساں، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ ۱۹۱۰ء، ص ۱۹-۲۶۔ احترام الدین احمد شاغل، صحیفہ خوش نویساں، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ ۱۹۶۳ء، ص ۳۲-۴۸۔ اعجاز راہی، تاریخ خطاطی، ادارہ ثقافت پاکستان، اسلام آباد ۱۹۸۶ء، ص ۶۸-۸۲، امیر حسن نورانی، فن خطاطی اور اس کا عہد بہ عہد ارتقاء، جامعہ، ۵۶/۱ جولائی ۱۹۶۷ء، ص ۳۴-۵۵، محمد سعود عالم قاسمی، خطاطی اسلامی تہذیب میں، تحقیقات اسلامی ۵/۴، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۰-۱۰۹

M. ZIAUDDIN, *MOSLEM CALLIGRAPHY*, CALCUTTA, 1936, pp. 45-70 ؛
*CALLIGRAPHERS AND PAINTERS* ( English Tr. of PERSIAN TREATISE *GULISTAN-I-HUNAR* OF QAZI AHMAD by V. MINORSKY) WASHINGTON, 1969, pp.25-26.

۷ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ ۱۸۶۲ء، ص ۲۶۵،

۸ ملاحظہ فرمائیں: سعید احمد رفیق، اسلامی نظام تعلیم، کراچی ۱۹۵۶ء، ص ۵-۴۴۳۔ نیز دیکھئے راقم کا مقالہ، عہد اسلامی کے ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کے ذرائع، تحقیقات اسلامی، ۱۳/۱، جنوری - مارچ ۱۹۹۴ء، ص ۵۷-۵۸

ABDUL AZIZ, *THE IMPERIAL LIBRARY OF THE MUGHALS*, DELHI, 1974, pp.291-94;
N.N. LAW, *PROMOTION OF LEARNING IN INDIA DURING MUHAMMADAN RULE*, DELHI, 1973, p. 176.

۹ سیرت فیروز شاہی، نقل ۱۱۱، یونیورسٹی کلکشن (مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) ص ۱۴۷؛ شاہ معین الدین ندوی، تیموری دور کی خطاطی اور مشہور خطاط، معارف ۹۲/ ۲، اگست ۱۹۶۳ء، ص ۸۵

۱۰ تذکرہ خوش نویساں، ص ۵۸، ۵۹، ۹۱، ۹۵؛ صاحبزادہ شوکت علی خاں، اسلامی ہند میں فن خطاطی - امتیازات وخصوصیات، عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، راجستھان، ٹونک ۱۹۹۰ء، ص ۱۸

۱۱ شہاب الدین العمری، مسالک الابصار (عربی متن در: خورشید احمد فارق، تاریخ ہند پر نئی روشنی عربی کی ایک قلمی کتاب سے) ندوۃ المصنفین دہلی (بدون تاریخ) ص ۳۸؛ اعجاز راہی، محولہ بالا، ص ۱۴۵-۱۵۰؛ عبد المجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور (بدون تاریخ) ص ۳۹۸-۴۰۱

۱۲ خطاطی کے سات مشہور طرز "محقق، توقیع، رقاع، ریحان، ثلث، نسخ وتعلیق" تھے، یہ بیشتر ایرانی الاصل تھے اور ان میں مہارت رکھنے والے کو ماہر "ہفت قلم" کہا جاتا تھا۔ ان میں سے اولین طرز کو ایک شاعر نے یکجا کر دیا ہے

ع تلث و توقیع ہم محقق دال نسخ وریحاں دہم رقاع بخوال

تذکرہ خوش نویساں، محولہ بالا، ص ۱۲۳، ۱۲۵، علی اکبر دہخدا، لغت نامہ، تہران ۱۹۶۷ء، شمارہ نمبر ۱۲۹، ص ۲۳۸

۱۳ شوکت علی خاں، محولہ بالا، ص ۱۳-۱۴ ۱۴ غلام علی آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، مفید عام پریس آگرہ ۱۹۱۰ء، ص ۲۰۰-۲۰۸؛ رحمان علی خاں، تذکرہ علماء ہند، نولکشور ۱۹۱۴ء، ص ۱۴۴

۱۵ ابو القاسم ہندو شاہ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، نولکشور ۱۸۶۴ء، ۱/ ۴۸۰ کہیں سے یہ واضح نہیں ہو سکا ہے کہ فرشتہ نے "کتاب خانۂ حضرت رسالت پناہ محمدی" جو ذکر کیا ہے اس سے کیا مراد ہے۔ نیز ملاحظہ کریں: عبد الحی الحسنی، نزہۃ الخواطر، حیدر آباد ۱۹۶۲ء، ۱/ ۵۹

16 اعجاز راہی، ص ۱۴۵ 17 ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، علی گڑھ ۱۹۵۷ء، ص ۳۱

18 عصامی، فتوح السلاطین، مدارس ۱۹۴۸ء، ص ۱۵۶ 19 تاریخ فرشتہ ۱/۴۷

20 عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، کلکتہ ۱۸۶۹ء ۱/۸۹-۹۰، نظام الدین احمد بخشی، طبقات اکبری، کلکتہ ۱۹۲۷ء ۱/۷۷، میر محمد کرمانی، سیر الاولیاء، لاہور ۱۹۷۸ء ص ۱۰۹، تاریخ فرشتہ ۱/۴۷

21 سجان رائی بھنڈاری، خلاصۃ التواریخ، دہلی ۱۹۱۸ء، ص ۱۹۶، غلام حسین طباطبائیؒ، سیر المتاخرین، نولکشور (بدون تاریخ) ۱/۱۰۹

22 ابن بطوطہ، رحلہ ابن بطوطہ، المطبعۃ الازہریہ، مصر ۱۹۲۸ء ۲/۱۲

23 اعجاز راہی، تاریخ خطاطی ص ۱۴۶ 24 ضیاء الدین برنی، ص ۱۳۸ (علی گڑھ ایڈیشن)

25 انجم رحمانی، برصغیر میں مسلم خطاطی، المعارف، مارچ و اپریل ۱۹۷۶ء، ص ۶۴

26 غلام حسین طباطبائیؒ، محولہ بالا ۱/۲۶۳ 27 مناظر احسن گیلانی: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۴۴ء ۱/۸۷ 28 قاضی احمد قمی، محولہ بالا، ص ۶۹-۷۱

29 بدایونی ۱/۳۴۲-۲۷۳، مناظر احسن گیلانی، ۱/۷۹، اعجاز راہی، ص ۱۴۸

30 شوکت علی خاں، محولہ بالا، ص ۱۸ 31 بدایونی ۱/۳۴۲ 32 انجم رحمانی، محولہ بالا، ص ۶۷

33 شوکت علی خاں، ص ۲۲، عبدالمجید سالک، ص ۱۰۴ 34 غلام حسین طباطبائیؒ، ۱/۲۶۳۔

35 منشی محمد کاظم، عالمگیر نامہ، کلکتہ ۱۹۶۸ء، ص ۱۰۹۳-۸۹، ساقی مستعد خاں، مآثر عالمگیری کلکتہ ۱۸۷۱ء، ص ۵۳۲

36 تذکرہ خوش نویساں ص ۵۹، اعجاز راہی، ص ۱۵۸، صحیفۂ خوش نویساں، ص ۱۲۳، عبدالمجید سالک، ص ۱۰۴

37 عام طور پر خط جلی کو ثلث اور خفی کو نسخ کہا جاتا ہے۔ خط ثلث کو ثلث اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا ⅓ (ثلث) دور ہوتا ہے۔ ابن مقلہ نے اس کی بنیاد نقطہ پر رکھی تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ثلث کو ثلث اس لئے کہا جاتا ہے کہ قدیم خط حیری اور کوفی کے بعد یہ تیسرا خط ہے جو وجود میں آیا (سید عبداللہ "فن خطاطی" دائرہ معارف اسلامیہ اردو اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۱۵/۱۹۶۳، صحیفہ خوش نویساں، ص ۳۲۔

38 صحیفۂ خوش نویساں، محولہ بالا، ص ۱۶۱، اعجاز راہی، ص ۱۵۸ 39 ساقی مستعد خاں، محولہ بالا، ص ۲۷۰

40 حوالہ مذکور، ص ۴۸۹ 41 منشی محمد کاظم، ص ۱۰۹۲-۱۰۹۳

42 ساقی مستعد خاں، ص ۵۳۲۔ لبعض جدید اسکالرس نے یہ ذکر کیا ہے کہ اورنگ زیب نے ایام شاہزادگی میں تیار

کیے گئے نسخہ کو مدینہ منورہ بھیجا اور تخت نشینی کے بعد والے کو مکہ مکرمہ ارسال کیا (انجم رحمانی، محولہ بالا مضمون، ص ۷۲)

۴۳ تاریخ فرشتہ ۱/۱۱۲۔ رفیع الدین شیرازی، تذکرۃ الملوک، مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، ورق ۹

۴۴ تاریخ فرشتہ ۲/۲۱۲، سعید احمد رفیق، بحولہ بالا، ص ۱۱۴

۴۵ تذکرہ خوش نویساں، ص ۹۱، مناظر احسن گیلانی ۱/۷۹    ۴۶ اعجاز راہی ص ۱۵۶

۴۷ تذکرہ خوش نویساں، ص ۹۴-۹۵    ۴۸ صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ، مطبع معارف ۱۹۴۸ء، ص ۴۱۷

۴۹ مناظر احسن گیلانی، محولہ بالا، ۱/۷۴ (حاشیہ) (بحوالہ سفرنامہ مظہری، ص ۵۸)

۵۰ اعجاز راہی، ص ۱۵۷، شوکت علی خاں، ص ۱۸، مقالات شبلی، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۳۶ء، ۵/۱۱۱۔

۵۱ ملاحظہ فرمائیں: آیات بینات، مخطوطہ، حبیب گنج کلکشن (مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) ۱/۵۵ (عربی)

۵۲ قاضی اطہر مبارکپوری، خلافت راشدہ اور ہندوستان، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۱۰۶-۱۱۰، ۱۱۶-۱۱۷، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۵۴، اعجاز راہی، ص ۱۳۹    ۵۳ اعجاز راہی، ۱۴۴۔

۵۴ خیرالمجالس (مرتبہ: حمید قلندر) با تصحیح و مقدمہ و تعلیقات خلیق احمد نظامی، شعبہ تاریخ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (بدون تاریخ) ص ۸۸

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۳۲ھ، ص ۱۹۰-۱۹۱۔ سیرالاولیا، ص ۳۰۸، سید عبدالحی، نزہۃ الخواطر، حیدرآباد ۱۹۴۷ء، ۲/۱۰۶    ۵۵ خیرالمجالس، ص ۸۸

۵۶ اخبار الاخیار، ص ۱۷۸، تذکرہ علمائے ہند، ص ۴۱، نزہۃ الخواطر، ۲/۴۹-۵۰۔

۵۷ امیر حسن سجزی، فوائد الفواد (تصحیح محمد لطیف ملک) لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۱۸۹

۵۸ اخبار الاخیار، ص ۳۸۲-۳۸۳، مناظر احسن گیلانی ۱/۵۷

۵۹ اخبار الاخیار، ص ۲۵۷-۲۶۹۔ مآثر الکرام، ص ۱۹۲-۱۹۴، تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۶-۱۴۷۔ محمد اسحاق، علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ دہلی ۱۹۷۳ء، ص ۲۶۷-۲۶۹

۶۰ عبدالوہاب الشعرانی، طبقات الکبریٰ، مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر ۱۹۵۴ء، ۲/۱۸۵

۶۱ ابوالفضل، آئین اکبری، تصحیح سرسید احمد خاں، مطبع اسمٰعیلی، دہلی ۱۲۷۲ھ، ۱/۸۳، ۸۴، بدایونی، ۳/۵۱، ۱۰۱، تذکرہ خوش نویساں، ص ۸۴۔ بزم تیموریہ، ص ۱۲۵، اعجاز راہی، ص ۱۵۱    ۶۲ آئین اکبری ۱/۸۱، بزم تیموریہ، ص ۱۲۶

۶۳ خط غبار میں باریک نقطوں یا خفی قلم سے حرف کی شکل بنائی جاتی تھی۔ بظاہر جلی قلم سے لکھا نظر آتا ہے لیکن بغور دیکھنے سے غبار کی صورت نقطے نظر آتے ہیں (صحیفۂ خوش نویساں، ص ۵۴-۵۵۔ اعجاز راہی، ص ۹۰)

۶۴ صحیفۂ خوش نویساں، ص ۷۷، (بحوالہ ظفر حسن، فہرست مخطوطات دہلی میوزیم (انگریزی) ص ۱۸)

۶۵ اعجاز راہی، ص ۱۷۷ ۶۶ شیخ داؤد، شیخ داؤد حسنی کے مرید و خلیفہ تھے اور قادری سلسلہ کے صاحب حال معروف صوفیوں میں سے تھے ان کے حالات کے لئے دیکھئے: بدایونی ۲/۲۸-۳۹، نظام الدین احمد بخشی ۲/۳/۷۴، اخبار الاخیار، ص ۲۰۷-۲۰۸، محمد صادق، طبقات شاہجہانی، نقل حبیب گنج کلکشن، فارسی، تذکرہ ۲۲ ۲/۴۶ (مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) ۲/۲۱۲-۲۱۶ ۶۷ بدایونی ۲/۳۹۴

۶۸ مناظر احسن گیلانی، ۱/۸۲ ۶۹ تذکرہ خوش نویساں، ص ۱۲۵، صحیفۂ خوش نویساں، ص ۱۲۳، اعجاز راہی، ص ۱۵۸ ۷۰ شوکت علی خاں، ص ۲۲، عبدالمجید سالک، ص ۱۰۴

۷۱ شوکت علی خاں، قصر علم۔ ٹونک کے کتب خانے اور ان کے نوادر، عربک اینڈ پرشین انسٹی ٹیوٹ، راجستھان، ٹونک (بدون تاریخ) ص ۶۹ ۷۲ تذکرہ خوش نویساں، ص ۱۲۶، اعجاز راہی، ص ۱۵۷

۷۳ صحیفۂ خوش نویساں، ۶۱ ۷۴ تذکرہ خوش نویساں، ص ۱۰۷

۷۵ جمال الدین یاقوت المستعصمی ابن بواب کے شاگرد اور خلیفہ مستعصم کے حبشی غلام تھے۔ فن خطاطی و زود نویسی میں ممتاز ہوئے، ایک ماہ میں قرآن کے دو نسخے لکھ لیتے تھے۔ ان کے کتابت کردہ نسخوں کی تعداد ۳۶۴ بتائی جاتی ہے (قاضی احمد، محولہ بالا، ص ۵۹، ایم ضیاء الدین، ص ۳۹) ۷۶ تذکرہ خوش نویساں، ص ۱۲۷، اعجاز راہی، ص ۱۶۰

۷۷ تذکرہ خوش نویساں، ص ۱۲۷-۱۲۸ ۷۸ حوالہ مذکور، ص ۱۲۸

۷۹ حوالہ مذکور، ص ۱۳۰-۱۳۱ - اعجاز راہی، ص ۱۷۰ ۸۰ حوالہ مذکور، ص ۱۱۱-۱۱۲ -

۸۱ خط بہار، خاص عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی ایجاد ہے۔ یہ اصلاً خط تعلیق پر مبنی ہے۔ اس میں حروف کو بڑے نمایاں طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ افقی نشستیں زیادہ لمبی ہوتی ہیں۔ ن۔ س۔ ک۔ ل کا دامن بالکل ب کے دامن جیسا ہوتا ہے۔ اور ان کے آخری حصے نوکدار نہیں ہوتے بلکہ پورے خط پر ختم کئے جاتے ہیں بعض اہل قلم کی رائے میں "یہ بہار" اس لئے کہلایا کہ اس کی ابتدا غالباً بہار پر افغانوں کے غلبہ کے بعد ہوئی۔ سوری خاندان کے انقراض سلطنت کے ساتھ انحطاط پذیر ہو کر یہ خط بہت قلیل عرصہ میں تقریباً معدوم ہو گیا (دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۵/۹۷۲-۹۷۳، صحیفۂ خوش نویساں، ص ۸۴) -